جامعہ خواتین کیوں اور کس طرح؟

(۲)

از جناب نعیم صدیقی صاحب

اسلام کا دیانتدارانہ اتباع یہ مقصد اتنا اہم اور بنیادی ہے کہ صحیح ترتیب کے لحاظ سے اسے سب سے پہلے لانا چاہیے تھا مگر بعض وجوہ سے ہم نے اس مثبت مقصد کو مؤخر رکھا ہے اور اب یہ جہاں بھی مذکور ہے اس کی اوّلیت و مقصدیت اس کے ساتھ ہے۔

سیدھی سی بات ہے کہ ہم مسلمان ہیں اور تاریخی احوال سے گزرتے ہوئے ہم خواہ کیسی بھی فکری اور عملی کوتاہیوں میں جا پڑے ہوں آج بھی ہمارے لیے سرچشمۂ ہدایت اسلام ہے۔ دیانتداری کا تقاضا یہ ہے کہ ہم ہر معاملہ میں اسلام کے مقرر کردہ اصول وحدود کو معیارِ فیصلہ قرار دیں اور سرسری معلومات کو لے کر تاویلاتی ہیر پھیر سے انحراف کی راہیں نکالنے کے بجائے دینِ برحق کے تقاضوں کو بہترین مفہوم کے ساتھ عملی زندگی کا حصہ بنائیں۔ حتیٰ کہ صحیح مقامِ ایمان یہ ہے کہ بعض احکام وحدود اگر بظاہر ہماری طبائع کو (جو اختلال زدہ ہیں) خوش آئند نہ معلوم ہوں تو بھی انہیں سر آنکھوں پہ رکھیں۔

اسلام کے معاشرتی ضابطوں کا اگر ٹھنڈے دل اور گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ فلاحِ انسانیت کے اس نظام میں نسائیت کے مقامِ احترام، اس کے جوہرِ ناموس اور خواتین کے ذہن و کردار کی پاکیزگی کے تحفظ کا مکمل اور مؤثر انتظام کیا گیا ہے۔

اس تحفظ کے لیے قرآن و حدیث میں صریح و بدیہی طور پہ پردہ داری کے احکام دیے گئے ہیں۔ خواتین کے لیے غیر محرموں (محرموں کی فہرست مقرر کر دی گئی) کے سامنے نمائشِ زینت و آرائش کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ بات کرنے میں لوچ اور ناز و ادا کا طریقہ اختیار کرنے سے روکا گیا ہے۔ اور صنفین کے اختلاط عام

(FREE MIXING OF BOTH THE SEXES) کے راستے بند کیے گئے ہیں۔

قرآن میں جو آیات خواتین، پردے یا نظامِ معاشرت سے متعلق ہیں اُن کو کوئی بھی معقول آدمی سامنے رکھ کر خود دیکھ سکتا ہے کہ قانونی و اخلاقی احکام جس طرح بیان ہوئے ہیں اُن کے اگر کم سے کم تقاضوں کو بھی سامنے رکھا جائے تو مغربی تہذیب کی مخلوط معاشرت (اور مخلوط تعلیم) کو کسی طرح بھی حریم اسلام میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔

قرآنی احکام کی عملی تفسیر و تشریح کی حیثیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ثابت شدہ اسوہ کو دیکھیے تو یہ حقائق سامنے آتے ہیں کہ حضورؐ نے عورتوں کے لیے تعلیم و وعظ کا الگ انتظام کیا، نمازوں میں ان کی صفیں الگ رکھیں، مسجد سے نکلنے کا راستہ الگ مقرر فرمایا، عیدین میں ان کی نشست کا علیحدہ بندوبست کیا۔ زندگی کی روزمرہ تقریبوں اور مجالس میں مخلوطیت کو سختی سے روکا۔ مردوں سے بیعت لینے کے طریقے کے بخلاف بیعت کرنے والی کسی عورت کے ہاتھ کو کبھی مس نہیں کیا۔ انہیں بیرونِ خانہ کی بھاری سرگرمیوں (مثلاً جہاد وغیرہ[1]) سے مستثنیٰ کر کے بشارت دی کہ وہ اپنی مخصوص نسوانی ذمہ داریوں کو حسن و خوبی سے ادا کرتے ہوئے ویسی ہی جزا پائیں گی جیسی مجاہدین اور شہداء کو ملتی ہے۔ انہیں سیاسی تگ و دو[2] سے الگ رہ کر گھروں کے در و بست کو سنبھالنے اور نئی نسلوں کی برداشت و پرداخت کرنے میں انہماک کا راستہ دکھایا۔ اور اقتصادی ترقی کے لیے گھریلو صنعت کی طرف توجہ دلائی۔

مقصد یہ تھا کہ بیرونِ خانہ کے ہنگامے جو کچھ بھی ہوں، تعمیرِ انسانیت کے اُن بنیادی اداروں کا کام متاثر نہ ہو۔ جنہیں گھر اور خاندان کہا جاتا ہے۔ اور جن کا انچارج خواتین کو بنایا گیا ہے۔ اسلامی ریاست اور معاشرے کی وہ تمام انسانی قوت (MAN-POWER) جو قیادت کے مناصب کو سنبھالتی ہے، جو تعلیم اور انصاف کے

---

[1] اسماء بنت یزیدؓ خواتین کا ایک وفد لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ اور سب کی طرف سے مردوں کی بیرونِ خانہ ذمہ داریوں کا ذکر کر کے عرض کیا ہم خواتین آخر کیوں ثواب کے ایسے بڑے کاموں سے محروم رکھی گئی ہیں۔ حضورؐ نے وضاحت کی کہ تمہارے لیے گھریلو ذمہ داریوں پر ویسا ہی ثواب ہے۔ اور ایمان و اطاعت کا کمال یہ تھا کہ خواتین نے بے چون و چرا تسلیم کر لیا۔ الاستیعاب لابن عبدالبر بحوالہ "پاکستانی عورت دوراہے پر" ۔ از مولانا امین احسن اصلاحی۔ مطبوعہ مکتبہ جماعت اسلامی پاکستان۔

[2] جنگ جمل کے خاتمے پر حضرت علیؓ نے جناب عائشہ صدیقہؓ سے یہی کہا کہ آپ کا یہ کام نہ تھا۔ آپ کو گھر میں بیٹھنا چاہیے تھا۔ اور حضرت عائشہؓ نے یہ بات تسلیم کر لی۔

اداروں کو چلاتی ہے، جو اقتصادی ترقی کے لیے عمومی جدّوجہد کرتی ہے۔ جو جہاد کے محاذ پہ قربانیاں دیتی ہے۔ اس کی قوت و صحت کا دارومدار اس کی صحیح ذہنی، اخلاقی اور تہذیبی نشوونما پر ہے۔ یہی وہ بڑا کام ہے جس کے لیے خواتین کی خدمات مختص کی گئی ہیں۔ اگر خواتین اس ذمّہ داری سے کنّی کترانے لگیں تو ناقص MAN-POWER تیار ہوگی۔ ناقص MAN-POWER کے بل پہ کوئی دوسرا نظام تو شاید چلتا رہے۔ اسلامی نظام کبھی نہیں چل سکتا۔ بلکہ آج عالمِ انسانی میں جنگ، جرم اور جبریت کی جو فضا بن گئی ہے اور دولت اور خواہش کے بتوں کی جیسی پرستش ہو رہی ہے، یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس کوتاہی کا کہ آج جو مردِ عالمی قوتوں کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں انہیں گھر میں بچپن کے مقدس ادارے کی محبت بھری فضا میں صحیح اور بھرپور تربیت نہیں ملی۔

ہماری پچھلی طویل تاریخ میں پابندیٔ پردہ کے ساتھ خواتین نے علوم بھی حاصل کیے، انہوں نے کاروبار بھی چلائے کتابیں بھی لکھیں، شعروادب میں بھی حصّہ لیا، مگر گھروں کو بحیثیت اسلام کے تہذیبی مراکزِ تربیت کے اپنی بھرپور توجہ سے محروم نہیں کیا۔ اِکّا دُکّا خواتین ایسی بھی ہر دَور میں ملتی ہیں جو سیاست، تصوّف یا کسی اور دلچسپی کے میدان میں مردانہ حدود تک جا پہنچتی ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی ہمارے معاشرے میں گھر کا ادارہ ہر قسم کے حالات میں محفوظ اور مضبوط رہا۔ یہی وجہ ہے کہ خلافتِ راشدہ کے سقوط، ظالم بادشاہوں کے ظہور، غیر اسلامی طرزِ سیاست کے نشوونما، فتنوں کے سیلابی عمل اور تاریخ کے بحرانی مدّوجزر سے گزرتے ہوئے بھی ہمارے گھروں سے علمائے حق ائمۂ ہُدیٰ، مجاہدین اور شہدا کی صفیں برابر اُٹھ اُٹھ کے تاریخ کے میدان میں آتی رہیں۔ بعض قیمتی روایات اور قدروں کے باقی رہنے پہ ہم ماضی کے طبقۂ اناث کے ممنون ہیں جس نے غیر فطری مساواتِ مردوزن کے تصوّر سے بدمست ہو کر مردانہ مشاغل اختیار کرنے، مردوں سے مسابقت کرنے اور سیر سپاٹوں اور کھلی محفل آرائیوں کی لذّت کو اپنے اُس عظیم اختصاصی مشن پہ قربان کر دیا جو آنحضورؐ اس طبقے کو تفویض کر گئے تھے۔

اور برصغیر کے دَورِ غلامی میں بھی اگر ہمارے اندر ایمان و اخلاق کا کچھ جوہر بچا کھچا موجود رہا تو یہ عطیہ ہے اُن قابلِ صد افتخار خواتین کا جنہوں نے پچھلی دو ڈھائی صدیوں میں گھروں کے تہذیبی محاذوں پہ مضبوط کردار کا مظاہرہ کیا۔ وہ کسی لالچ اور کسی شوق کی کشش سے مسحور ہو کر دوسرے مشاغل کی طرف نہیں لپکیں۔ ورنہ وہی حال ہوتا جیسے کسی جنگی ناکے کا سنتری تتلیاں پکڑنے کے لیے دوڑتا پھرے اور پیچھے دشمن چپکے سے آکر قابض ہو جائے۔

ہماری خواتین اگر فرض میں کوتاہی کرتیں تو کون یہ تصوّر کر سکتا ہے کہ یہاں تحریک مجاہدین برپا ہوتی اور انقلاب ۱۸۵۷ء نمودار ہوتا۔ اور خلافت کی مہم زوروں پر چلتی، اور حصولِ آزادی اور قیامِ پاکستان کے لیے قوم

اتنی تیز دو رنگ دکھا ذکر سکتی۔

ہماری خواتین کے اس پارٹ کو دیکھ کر بالآخر تہذیب مغرب نے ہمارے گھروں کے آخری اور پچھلے مورچوں میں مداخلت کر کے ان کے نظام کو درہم برہم کرنے کا فیصلہ کیا۔ مردوں کو تو وہ تعلیم کے تیزاب سے گذار کر اور اُن کو اقتصادی ترقی کے لالچ اور غریبی کے خوف سے دوچار کر کے دیکھ چکی تھی۔ ان مساعی کو کم نتیجہ خیز پاکر بالآخر سامراجی قوت نے مسلم خاتون کو ہدف بنایا۔ اور اسے آہستہ آہستہ گھر کے دروازے سے باہر نکالا۔ اور پھر تدریجاً عمل سحر کر کے اسے رقص کے سٹیج اور نائیٹ کلب کے فرش پر لا کھڑا کیا۔ اور اب ہمارے معاشرے کے آخری تہذیبی مورچے جنہیں گھر کہتے ہیں، کمزور ہونا شروع ہو گئے ہیں۔

مخلوط تعلیم کوئی سیدھا سادہ عمل اور معمولی واقعہ نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے معاشرے کی پوری بنیادیں ہلا دینے کا سامان ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ پاکستان بنتے ہی ہم اپنے شکستہ محاذ کو از سر نو درست کرتے اور اسلام نے مردوں اور عورتوں میں ڈیوٹیوں کی جو تقسیم کی تھی، اُسے بحال کر دیتے۔ لیکن ہمارے اندر سے اُٹھ کر ہمارے اوپر کار فرمائی اور کارپردازی کرنے والے طبقوں نے ہمیں بصد فخر تہذیبی شکست کے راستے پر آگے ہی آگے بڑھنے پر مجبور کر دیا۔

دیکھ لیجیے کہ جب سے مخلوط معاشرت کو فروغ ملا ہے ہماری اخلاقی پستی میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔ مُسرفانہ طریقے پھیل رہے ہیں۔ حلال و حرام کے امتیازات اُٹھ رہے ہیں۔ خدا کی محبت اور آخرت کے خوف سے دل خالی ہو رہے ہیں۔ اور مادہ پرستی اور حیوانی نفسانیت رواج پا رہی ہے۔ اور یہ بھی دیکھ لیجیے کہ مخلوط تعلیم اور مخلوط معاشرت لازم و ملزوم ہیں۔

اگر پہلے اس معاملہ میں ہم خرابیٔ احوال پر قابو نہیں پا سکے تو اب ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرنا چاہیے بلکہ یہ سمجھ کر کام کرنا چاہیے کہ جیسے پاکستان آج ہی بنا ہے اور ہمیں اسے اسلام کا مطلوبہ پاکستان بنانا ہے۔

اسلام کو قبول کرنے یا مسلمان ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہر فرد، ہر طبقہ اور ہر صنف خدا اور رسولؐ سے براہ راست معلوم کرے کہ اس کے فرائض کیا ہیں اور اس کے حقوق کیا ہیں۔ مردوں سے حقوق طلب کرنے اور مردوں کے خلاف عورتوں کی جنگ حقوق کا سرے سے تصور ہی باطل ہے۔ یہاں LAW GIVER اور ہادی صرف خدا ہے اور اس کے الہامی قانون کی عملی شرح پیش کرنے والا مستند نمائندۂ الٰہی رسولِ برحق ہے۔ جسے اشکال ہو خدا اور رسولؐ کی اتھارٹی کی طرف رجوع کرے اور پوچھے کہ مجھ پر ذمہ داری کیا ہے اور میرے سر فرض کیا ہیں؟

کن پابندیوں میں مجھے کام کرنا ہے ؟ میری آزاد مرضی کہاں تک چلے گی ؟ اور میری ذاتی خواہشات و جذبات کا دائرہ تنگ و تاز کیا ہے ؟ پھر جو امر و نہی سامنے آئے پوری خوشنودی دل کے ساتھ سر تسلیم خم کرنا چاہیے اور اپنا بھرپور رضاکارانہ اور وفادارانہ جذبۂ طاعت پیش کر دینا چاہیے۔

اور اگر بدقسمتی سے کسی کو خدا اور رسولؐ کی مرضیات پسند نہ آئیں تو اس کے لیے کھلا کھلا راستہ ارتداد کا اور مخفی راستہ نفاق کا ہے۔ اس کا دنیا میں نتیجہ ذلت و خواری اور آخرت میں عذاب و عقاب ہے۔

وقت آگیا ہے کہ ہم اپنی اور پوری انسانیت کی فلاح کے لیے یکسو ہو کر غلبۂ تہذیب اسلامی کے لیے اٹھ کھڑے ہوں، دیانت داری سے اس کے اصولوں کو تسلیم کریں اور آج جو مشغلے اور ادارات اور حقوق و فرائض کی تقسیمیں اسلام کے احکام اور مقاصد کے صریحاً خلاف برسر عمل ہیں، ان کو جرأتِ مومنانہ سے توڑ کر ان کی تعمیر نو کریں - ایسا ہی ایک ادارہ مخلوط تعلیم کا ہے - جس کے ساتھ مخلوط معاشرت کا منطقی جوڑ ہے - ان بے جوڑ چیزوں کو نہ صرف یہ کہ اسلام ساتھ لے کر چل نہیں سکتا - بلکہ مخلوط تعلیم و معاشرت اور اس سے پیدا ہونے والی ذہنیت اور اخلاقی احوال اجیلئے اسلام کی راہ میں شدید ترین مزاحم قوتیں ہیں۔

تو اے مردانِ حق اندیش و خواتینِ صفاکیش ! اٹھیے اور موجودہ نقشۂ احوال کو بدل ڈالیے تاکہ اسلام کے تقاضے پورے ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ رہے۔

اعلان جنگ - تہذیب حاضر کے خلاف اسلامی نظام کے قیام یا اسلامی تہذیب کے احیاء کا عزم مغربی تہذیب کے خلاف اعلانِ جنگ ہے - مغرب کی ملحدانہ فکر پر قائم ہونے والی مادہ پرستانہ تہذیب جو ہر شعبۂ زندگی میں اسلام کے اصول و مقاصد سے ٹکراتی ہے۔ اس نے "ترقی" کے خوشنما پردے میں عورت کو نہایت ہی گھٹیا مرتبے پر ڈال دیا ہے اور اس نے دنیا بھر میں "نسائیت بگاڑ" ثقافت کا رنگین طوفان برپا کر رکھا ہے۔

مغربی معاشروں میں عورت کی چلت پھرت، حسین چہروں اور رنگیں لباسوں کی نمائش اور اُن کا مردوں کی نقالی میں طرح طرح کے کام کسی تماشاگر کے کرتبوں کی مانند کر دکھانا، مقابلہ ہائے حسن اور فیشن پریڈوں میں شریک ہونا، اور دفتروں اور دکانوں سے لے کر نائیٹ کلبوں اور میخانوں تک مردوں میں گھسنا، بادیُ النظر ہماری عورتوں کو بھی خوب دلکش لگتا ہے - مگر معاملہ ایسا نہیں کہ نگاہیں صرف سوسائٹی کے گرد پوش تک ہی رہ جائیں ذرا اندر تک دیکھنے کی ضرورت ہے۔

خواتین کے حوالے سے اس تہذیب دوں نہاد کے خلاف ہمارا چارج شیٹ یہ ہے کہ اُس نے پردہ دریا اور

عصمت و عفت کے تمام تصورات کو ملیامیٹ کر کے، نیز ادارۂ خاندان کی بنیادیں ڈھا کر "آزادیٔ نسواں"، "ترقی نسواں"، "حقوقِ نسواں" اور "مساواتِ مرد و زن" کے خوبصورت عنوانات کے ساتھ مخلوط معاشرت قائم کر کے عورت کو مردوں کے لیے سہل الحصول، ہمہ وقتی، "دوشِ بدوش" اور ہرجائی قسم کا شہوانی کھلونا بنا دیا ہے اور بہ اعتبارِ حقیقت اسے شرفِ انسانیت سے محروم کر دیا ہے۔ اور پوری اولادِ آدم کو جنسی غلاظت کی بیماری میں مبتلا کر دیا ہے۔

جن معاشروں میں حال یہ ہو کہ سیکرٹری اور ٹائپسٹ اور سیلز گرلز اپنے کاروباری مالکوں یا افسروں کی بیویوں کے لیے کھلم کھلا رقیب و حریف بنتی رہتی ہوں، جہاں شادی سے پیشتر لڑکیوں کی اکثریت کا کنوارپن ختم ہو چکا ہو اور جو اکا دکا بچ نکلیں، انہیں معنوی طور پر "ملّانی" سمجھا جاتا ہو)۔ جہاں دس دس بارہ بارہ سال کے لڑکے لڑکیاں ڈیٹنگ کرتے ہوں اور گھر سے باہر جس کے ساتھ چاہیں رات گزاریں، جہاں مانع حمل دواؤں، آلات اور آپریشنوں اور اسقاط کی اباحت اور سہولتوں کے باوجود حرام اولادوں کی کثیر تعداد سوسائٹی میں پلتی ہو۔ اور بعد میں ان میں سے بعض افراد اہم ذمہ داریوں کے حامل بنتے ہوں۔ جہاں ازدواج بلا نکاح کے ساتھ ساتھ کثرتِ طلاق کی وجہ سے مناکحتوں کی آئے دن شکست و ریخت ہوتی رہتی ہو، جہاں عورت اتنے سستے پن پر آ جائے کہ وہ مردوں کی توجہ حاصل کرنے کے لیے حسن آرائی اور لباسوں کے فیشنوں اور میک اپ اور عریانی اور شراب نوشی اور رقص و سرود اور فلمی ایکٹنگ کے مختلف طریقوں میں جان کھپاتی پھرے۔ جہاں شادی کا راستہ نہ پا سکنے والی کثیر التعداد عورتیں اس سطح سے بھی گر کر داشتائیں بننے کے لیے یوں دربدر گھومیں جیسے کوئی گریجویٹ کلرکی کی نوکری کی درخواست لیے گھومتا ہے، اور جن کی قسمت میں یہ "سعادت" بھی نہ آ سکے وہ پارکوں اور بازاروں اور ہوٹلوں کے آس پاس ہر آئندہ و روندہ سے یہ پوچھتی پھریں کہ "ساتھی چاہیے؟"[۱] اور جہاں یہ شہوانیت اتنی بے قابو ہو جائے کہ باغوں کی روشوں اور پارکوں کے پلاٹوں میں

---

[۱] کئی سال پہلے ایک رپورٹ "PROSTITUTION IN UNITED STATES" میں انکشاف کیا گیا ہے کہ "جن عورتوں نے زناکاری کو مستقل پیشہ بنا لیا ہے اُن کی تعداد کا کم سے کم اندازہ چار پانچ لاکھ کے درمیان ہے۔ (بحوالہ "پردہ" از مولانا مودودی) نیز اب یہ کاروبار حد درجہ منظم ہو گیا ہے۔ اس کے لیے بکثرت "ملاقات خانے" (ASSIGNATION HOUSES) اور طلب خانے (CALL HOUSES) "شریف" مردوں اور عورتوں کی تفریح کی خاطر تیار رہتے ہیں۔ ایک شہر میں ایسے ۷۸ اڈے، دوسرے میں ۴۳ اور تیسرے میں ۳۳ تحقیق میں آئے (بحوالہ "پردہ" - از مولانا مودودی)۔

اخفا کے کسی اہتمام کے بغیر حیوانی عمل کے مناظر عام ہو جائیں، جہاں رابطۂ مرد و زن کے عام اور سستا ہو جانے کی وجہ سے مردوں میں بھی اور عورتوں میں بھی ہم جنسی کی لعنت اتنا زور پکڑ جائے کہ قانون کو اس کے سامنے گھٹنے ٹیک دینے پڑیں۔ جہاں تعلیم گاہوں میں جنسی موضوع بالکل کھلا ہو اور جنسی آزادی کی فضا میں "تجربات" کرنا آسان ہو۔ جہاں امراضِ خبیثہ بکثرت پھیل چکے ہوں۔ جہاں فحش فلموں، گھٹیا ناولوں، افسانوں اور نظموں میں عورت کے استعمال سے نفع اندوزی کی جاتی ہو۔ جہاں عورت کے عریاں مجسموں اور شرمناک تصویروں کے ذریعے کمائی کی جاتی ہو۔ جہاں اہلِ کاروبار عورتوں کے حسن و جمال کو لطیف جنسی اکساہٹوں کے ساتھ سمعی و بصری دائروں میں ذریعۂ اشتہار بناتے ہوں۔ جہاں مردوں کی عمومی تواضع کے لیے نائیٹ کلبوں اور شراب خانوں اور رقص گاہوں اور آرائش گھروں میں آزاد عورتیں ٹھیک اُس مرتبے پر گر جائیں جس پر تاریک دَور کی لونڈیاں ہوا کرتی تھیں۔ جہاں عورت کو جرم اور جاسوسی کی سرگرمیوں میں آلۂ کار بنایا جاتا ہو۔ اور جہاں سیاسی اور کاروباری نوعیت کے شبستانوں میں عورت کو ہوسناکی کے دستر خوانوں پر سجایا جاتا ہو ـــــ یہ سب کچھ اتنا بھیانک ہے کہ ان حالات کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے آدمی لرز جاتا ہے[2]۔ جس تہذیب کی معاشرت کا یہ نقشہ ہو۔ اُس کے ساتھ اسلام یا مسلمان ایک قدم بھی نہیں چل سکتا۔ پس ہمیں اس کے خلاف ٹھیک اس طرح اعلانِ جنگ کرنا چاہیے جیسے اقبالؒ نے ضربِ کلیم کے سرورق کا سلوگن لکھا تھا۔

---

[1] اشاعت میں آنے والے احوال میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جرمنی میں (WEEK END) پر مخلوط پارٹیاں پکنک منانے نکلتی ہیں، کھلی جگہ پہنچ کر کھانا ہوتا ہے۔ مشروب کا دَور چلتا ہے اور پھر وہیں آس پاس جوڑے " کارِ دیگر" میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

[2] ایک اور جائزہ بتاتا ہے کہ بیسواؤں (جن میں شوقیہ زانیات بھی شامل ہیں) کو اب کمپنی گرلز، کال گرلز یا سوسائٹی گرلز کہا جاتا ہے۔ ان سے سارا معاملہ فون پر اس طرح طے ہو جاتا ہے جیسے کسی ڈاکٹر یا وکیل سے (U.S.A CONFIDENTIAL) بحوالہ تعمیر انسانیت از پروفیسر حمید صدیقی۔

حالات کا یہ بگاڑ فوری طور پر رونما نہیں ہو گیا بلکہ صنعتی انقلاب کے وقت جس درخت خبیث نے محض کونپلیں ہی نکالی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ بڑا ہوا۔ شاخیں پھیلاتا گیا۔ اور آج اپنے زہریلے کانٹوں اور کسیلے پھلوں کے باوجود مغربی معاشروں اور حکومتوں کے بس میں نہیں کہ اسے اکھاڑ پھینکیں۔ اس طرح آج ہمارے ہاں مغربی (باقی بر صفحہ آئندہ)

اور مخلوط تعلیمی ادارے مغرب کی اس فاسد تہذیب کے اڈے ہیں۔ اگر ہم اسلام سے وفاداری چاہتے ہیں تو ان اڈوں کو ختم کر دینا ہوگا۔ مخلوط تعلیم کے خاتمے کو تہذیب مغرب کے خلاف جہاد کی راہ میں قدمِ اوّل سمجھنا چاہیے۔

ماحصل ہم نے اُن مقاصد کو سامنے رکھ دیا ہے جو ایمانی اور افادی نقطۂ نظر سے مخلوط تعلیم کا طریقہ ترک کر کے خواتین کے لیے تعلیم کا الگ انتظام کرنے کا تقاضا کرتے ہیں۔ غور کرنے والوں کے لیے یہ مواد فکری تحریک کا مؤثر ذریعہ بھی ہوگا اور صحیح نتیجے تک پہنچنے میں ممد بھی۔

"جامعۂ خواتین کیوں؟" کا جواب ہو چکا۔ اب مسئلے کا دوسرا پہلو زیرِ گفتگو آتا ہے کہ "خواتین یونیورسٹی کس طرح؟" یعنی وہ کیسے چلے گی؟ اور اس کا تنظیمی اور تدریسی خاکہ کیا ہوگا؟

(۲)

چند ابتدائی اُمور ۱۔ سب سے پہلے یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جامعۂ خواتین قائم کرتے ہی یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اس انقلابی اقدام کے ساتھ اسی ادارے سے اسلامی نظامِ تعلیم کا نفاذ شروع کر دیا جائے گا، جس کے لیے برسوں سے مطالبات اُٹھائے جاتے رہے ہیں۔ اس سلسلے میں تعلیم کا مقصد، درس گاہ کا ماحول، اساتذہ کا کردار، درسیات کا نظام سب کچھ اسلام کے اصول و مقاصد کے مطابق ہونا چاہیے۔

۲۔ جامعۂ خواتین کو متذکرہ بالا مقاصد کے ساتھ وجود دینے کے لیے لازمی معنی یہ ہیں کہ آئندہ کے لیے مخلوط تعلیم کا سلسلہ اس ملک میں جاری نہیں رہنا چاہیے۔ بالفاظ دیگر ایک یونیورسٹی کے تجربے سے آغاز کر کے ایک تین یا پانچ سالہ منصوبے کے تحت مزید یونیورسٹیاں اور خواتین کے کالج اتنی تعداد میں قائم کر دیے جائیں کہ خواتین مردوں کے کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے کی محتاج نہ رہیں۔ یہ صورت مسلم تہذیب کے نقطۂ نظر سے کسی طرح بھی معقول نہیں ہو سکتی کہ خواتین کے لیے جداگانہ تعلیمی ادارات کے ساتھ ساتھ مخلوط تعلیم بھی چلتی رہے۔ ایک مختصر مدت میں خواتین کے لیے اتنی جداگانہ تعلیم گاہیں قائم کر دی جائیں کہ انہیں مخلوط تعلیم کے چکر سے نکالا جا سکے۔ وہ وقت جلد آ جانا چاہیے کہ

(حاشیہ صفحہ سابق) تہذیب و معاشرت ابتدائی مرحلے میں ہے، اگر اس وقت اس کے مفاسد کا انسداد نہ کیا گیا تو آگے چل کر اس کی اذیت ناکیوں کے باوجود اس سے تعرض نہ کیا جا سکے گا۔

مخلوط تعلیم یکسر ممنوع ہو اور کوئی طالبہ لڑکوں کے کسی کالج (یا یونیورسٹی) میں داخلہ حاصل نہ کر سکے۔ جس شہر یا علاقے میں خواتین کے لیے جداگانہ یونیورسٹی یا کالج کا انتظام ہو جائے، اس میں مخلوط اداروں میں تعلیم پانے والی طالبات کی لازماً شفٹنگ ہو جانی چاہیے۔

۳۔ عدم اختلاطِ صنفین (SEPERATION OF SEXES) کے اسلامی اصول پر اگر کام کرنا ہو تو پھر تعلیم کے علاوہ دوسرے دائروں میں بھی خواتین کے لیے ضروری ادارات الگ قائم کرنے ہوں گے۔ جہاں کہیں ہسپتال موجود ہیں اُن کو توسیع دی جائے اور ہر سرکاری ہسپتال کے زنانہ وارڈ میں صرف لیڈی ڈاکٹروں اور نرسوں کا تقرر کیا جائے۔ عائلی زندگی سے متعلق خواتین کے لیے جداگانہ عدالتیں قائم ہوں جن کے مجسٹریٹ اور وکلاء بھی طبقۂ خواتین میں سے ہوں۔ خواتین ڈینٹسٹوں اور آئی سپیشلسٹوں کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔ اسی طرح شہروں اور قصبوں میں اُن کے لیے علیحدہ لیکچر ہال اور کھیل کے میدان مختص ہوں، جن کے گرد فصیلیں ہوں۔

ان تعمیری کاموں کے ساتھ پہلے ہی قدم پر مخلوط ثقافتی تفریحوں اور نائٹ کلبوں وغیرہ کا سلسلہ بیک قلم بند کر دینا چاہیے۔ مرد اور عورتیں علیحدہ علیحدہ تقاریب کا اہتمام کریں۔ اور اپنے لیے صاف ستھری مجالس یا تفریحی کلب (جہاں لائبریریوں، کھیلوں اور بحث و نظر کے انتظامات ہوں) بنائیں۔

مخلوط ثقافتی تقاریب اور مخلوط کلبوں اور ہوٹلوں اور پارکوں کی مخلوط تفریحی نشستوں کو ممنوع قرار دینے کے ساتھ ساتھ سرکاری افسروں اور ملازمین (اور اُن کی بیگمات اور زیرِ کفالت افراد) کو ایسی تقاریب و مجالس میں شرکت کرنے اور اُن کی مالی یا کسی اور طرح کی مدد کرنے سے روک دیا جائے۔

یہ ایک مختلف جائز صورت ہوگی کہ مثلاً مردوں کی مجالس میں کوئی لیکچر سننے کے لیے پردے کے اہتمام کے ساتھ خواتین شرکت کریں۔ یا خواتین کے اجتماع میں ضروری احتیاط کے ساتھ کوئی مرد خطاب کرے۔

مخلوط مجالس و تقاریب کو روکنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خواتین کی اپنی سوشل سرگرمیاں بڑھ جائیں گی اور وسیع تر حلقوں کی ایسی خواتین بھی دل چسپی لینے لگیں گی جو مخلوط تقاریب و مجالس سے کنارہ کش رہتی ہیں۔ اور ایسی سرگرمیوں میں جس طرح کے مفاسد اُبھرتے ہیں اُن کو سخت ناپسند کرتی ہیں۔ اپنے دائرے میں خواتین کی سوشل سرگرمیوں کے بڑھنے، اداروں میں خواتین کی زیادہ تعداد کے دل چسپی لینے سے "ترقی نسواں" کا کام بہتر طور سے انجام پائے گا۔ نیز اس تبدیلی کے نتیجے میں جو مختصر سا مخالفِ پردہ، اباحت پسند اور مغرب زدہ عنصر خواتین کی نمائندگی اور قیادت سنبھالے ہوئے ہے، اور اِن کی مجالس و سرگرمیوں پر حاوی رہتا ہے، اس کی اجارہ داری ختم ہو جائے گی۔ غریب عوام

میں سے اور محبِ دین حلقوں میں سے نئی خواتین اور نوجوان لڑکیاں آگے بڑھیں گی۔ اور موجودہ غلط رَو تحریکِ نسواں کا سیکولر رنگ کٹ جائے گا۔ بڑے گھرانوں اور عہدوں اور سرمائے اور لباس اور آرائش کے زور سے جس گروہ نے مغرب زدہ معاشرت کی دھاک بٹھا رکھی ہے اور جو ساری قوم کو زبردستی دھکیل کر مخالفِ اسلام تہذیبی سامراج کے پھندوں میں جا پھنسانا چاہتا ہے وہ قیادت و نمائندگیٔ خواتین کی اس مناپلی سے محروم ہو جائے گا جو سرکاری تائید و حمایت سے قائم ہو کر مضبوط تر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

مخلوط ثقافتی اور سوشل سرگرمیوں میں فضا تفریحی دائروں میں تو شدید طور پر جنسیّت زدہ ہوتی ہی ہے نسبتاً سنجیدہ دکھائی دینے والی حرکات میں بھی وہ کچھ نہ کچھ خلل انداز ہوتی ہے۔ چلے ہیں ہلال احمر کے لیے چندہ لینے اور ساتھ ہی شوخ و شنگ لباس و آرائش کا مظاہرہ بھی ہے۔ لگے ہیں خدمتِ خلق کے کسی کام میں، اور ساتھ ہی ناز و ادا اور آوارہ نگاہی کے کرشمے بھی ہیں۔ کر رہے ہیں مصیبت زدوں میں تقسیم پارچات اور فوٹو گرافروں کو حکم ہے کہ وہ ساتھ ہی تصاویر لیں۔

درحقیقت مخلوط سرگرمیاں جو کچھ بھی افادیت رکھتی ہوں، ان میں تخریبی عوامل موجود رہتے ہیں۔ پس اب یہ سلسلہ ختم ہو جانا چاہیے۔

ایک اصولی بات نظریات و معتقدات کے تحت جب کسی معاشرے میں کوئی انقلابی قسم کا قدم اُٹھایا جا رہا ہو اس کی کامیابی کا انحصار دوسری باتوں کے علاوہ سب سے پہلے اس اصولی بات پر ہوتا ہے کہ اُس کے ہونے نہ ہونے کا فیصلہ کرنے والے، اس کا خاکہ بنانے والے، اس کی تفصیلات طے کرنے والے ایمانی لحاظ سے یکسو اور مضبوط ہوں۔

ہمارے یہاں جامعۂ خواتین کے قیام یا مخلوط تعلیم کے ترک کا فیصلہ کسی معمولی تبدیلی کی نشاندہی نہیں کرتا۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں، سیکولرازم کے طلسم کو توڑنے اور مغرب کے تہذیبی سامراج کے خلاف جنگ چھیڑنے کا اقدام ہے۔ دانشوروں اور سیاست کاروں اور انتظامیہ کے کارپردازوں میں سے ایک بڑی تعداد اس تذکرے کے چھڑتے ہی پیچ و تاب کھا رہی ہے۔ ایک عنصر ایسا ہے۔ جو فنِ منافقت میں ایسی مہارت رکھتا ہے کہ ایک ناپسندیدہ پروگرام کے حق میں قصیدہ خوانیاں کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے، پروگرام کی ذمہ داریوں میں بڑی دلچسپی سے شریک ہوتا ہے اور پھر اندر ہی اندر اسے ناکام کرنے کی تدابیر پر ایسی خوبصورتی سے عمل کرتا ہے کہ پروگرام کے پُرجوش علمبردار بھی سجدۂ سہو کر لیتے ہیں۔

جامعۂ خواتین کے قیام کے سلسلے میں اصل مسئلہ یہی ہے کہ آیا ہم ایسے دس پانچ ذہین اور فعال افراد کو اکٹھا کر سکتے ہیں جو دیانتداری سے اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے ہمیں کوئی اُمید افزا نقشہ بنا کے دے سکیں؟ ایسے افراد جن کی مومنانہ ذہنیت کا انعکاس پہلے سے ہو رہا ہو، جن کے ہاتھوں اسلامی مقاصد کے لیے ماضی میں کچھ کام ہو چکے ہوں، جن کے حق میں بہ اعتمادِ عام پایا جاتا ہو کہ ہاں یہ لوگ اگر ہماری تعلیم کا نقشہ بنانے کے لیے آگے آئیں تو کچھ اچھے نتائج پیدا ہوں گے۔

انقلابی کاموں کے لیے محض ٹیکنیکل مہارتوں پر دارومدار نہیں کیا جا سکتا۔ ٹیکنیکل اور فنی لوگ اپنے ایک خاص طرزِ فکر کے قیدی ہوتے ہیں۔ اور اسی طرزِ فکر کو مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ انقلابی کاموں میں ایمانی شعور کے ساتھ تخلیقی فعالیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایمانی شعور سے آراستہ لوگ اگر زمام کار ہاتھ میں لے کر ٹیکنیکل افراد سے اپنے متعینہ خطوطِ کار پہ مدد لیں تو کام چل سکتا ہے۔

اگلے مرحلے کے لیے یہ دیکھنا ہوگا کہ آیا جامعۂ خواتین کے لیے ہمارے پاس وی۔ سی اور لیکچرار اور پروفیسر اور پرنسپل بننے کے لیے اور درسیات مرتب کرنے کے لیے ایسی خواتین مناسب تعداد میں ہیں جو علمی قابلیت اور تدریسی و انتظامی تجربے کے ساتھ ساتھ ایک سچے مسلمان کی ذہنیت سے مالا مال ہوں اور جو خود احیائے اسلام کا جذبہ رکھتی ہوں۔ اور جنھیں مخلوط تعلیم اور اس طرزِ تعلیم کو ہمارے سر منڈھنے والی مخالفِ اسلام تہذیب ناپسند ہو۔ اِس معاشرے کا تعلیم یافتہ، خصوصاً دانشوروں اور فنی ماہرین کا طبقہ ایسا بچھڑ لگا ہے کہ بیک نظر کام کے آدمیوں کو پہچاننا مشکل ہے۔ خاص طور سے اسلام گریز عناصر نے ایسے ایسے خول اپنے اوپر چڑھا رکھے ہیں اور ایسے مصنوعی چہرے سجا رکھے ہیں اور پھر وقت وقت کی بات وہ ایسے شاندار انداز میں کرتے ہیں کہ یوں لگتا ہے کہ جیسے اسلام کے بہترین جاں نثار فریفتگان سے تعارف ہو رہا ہے۔ ان بچھڑ لگے عناصر میں مختلف اقسام کے لوگوں کو اُن کے اندازِ قد سے صرف وہ تو نہیں ٹھیک طرح پہچانتی ہیں جو برسوں سے کھرے انسانوں کی تلاش کا کام کر رہی ہیں۔ اور تجربات کی بنا پر جن کی نگاہیں اُن مسلمانانِ عظیم کو پہچانتی ہیں جو دراصل مخالفِ اسلام ہیں۔

اسلام کی راہ پر کوئی ایک انقلابی قدم اُٹھانے میں بھی وہ سارا عنصر بے کار ہے جس میں کوئی الحاد پسند ہے، کوئی سیکولر مائینڈڈ (SECULAR MINDED) ہے، کوئی اشتراکیت زدہ ہے، کوئی مغرب

پرست ہے اور کوئی بندۂ مفاد[1] ۔ ان اوصاف کی کچھ بھی جھلک کسی میں پائی جاتی ہو تو اسے جامعۂ خواتین یا کسی دوسرے اسلامی پروگرام میں حصّہ لینے کے لیے پاس بھی نہیں پھٹکنے دینا چاہیے ۔ خاص طور سے مرحلۂ آغاز میں یہ احتیاط اشد ضروری ہے ۔ جب کام ہو جائے اور گاڑی چل جائے تو پھر اُن کی خطرناکی کم تر درجے میں ہوگی ۔ اس اصولی بات کو اگر ہم پورا نہ کر سکے تو بمشکل ہی یہ تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ جامعۂ خواتین کا یا کوئی دوسرا خواب جامۂ عمل پہن سکے گا ۔ بلکہ خطرہ تو یہاں تک ہے کہ یہ ماہرین و دانشور جامعۂ خواتین کو ایسے خطوط پر استوار کرا دیں کہ کل اس قدم کو واپس لینا پڑ جائے ۔

پس کام اور کام کی اسکیم یا پروگرام سے پہلے موزوں آدمیوں کی ضرورت ہے ۔

(باقی)

---

[1] یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قادیانیوں اور مخفی قادیانیوں کی طرف اشارہ کر دیا جائے کہ یہ لوگ بھی اسلامی نظام کی طرف معاشرے کی پیشقدمی کو دل سے ناپسند کرتے ہیں ۔ جن مسلمانوں کی تکفیر و تذلیل اُن کے ایمان کا جزو ہے وہ ان کے تصوّرات کے تحت ان کے ہاتھوں اسلام کا نفاذ کیسے پسند کر سکتے ہیں ۔